قرۃ العین حیدر

1927 تا 2008

قرّۃ العین حیدر علی گڑھ میں پیدا ہوئیں جہاں اُن کے والد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں رجسٹرار تھے۔ آبائی وطن نہٹور ضلع بجنور ہے۔ ان کے والد سجّاد حیدر یلدرم اور والدہ نذر سجّاد حیدر بھی اپنے دور کے معروف افسانہ نگار تھے۔ قرّۃ العین حیدر نے میٹرک اور بی۔ اے تک کی تعلیم بنارس اور دہرہ دون میں حاصل کی۔ 1947 میں ازابیلا تھوبورن کالج، لکھنؤ یونیورسٹی سے انگریزی میں ایم۔ اے کیا۔ آرٹ اور ادب کی مزید تعلیم کے لیے لندن چلی گئیں۔ وہاں مشہور انگریزی اخبار ''ٹیلی گراف'' کے شعبۂ ادارت اور بی۔ بی۔ سی (ریڈیو) سے بھی وابستہ رہیں۔ وطن واپسی کے بعد کئی سال ممبئی میں قیام رہا، جہاں انگریزی رسائل ''اِمپرنٹ'' اور ''اِلّسٹریٹیڈ ویکلی'' میں بطور مدیر کام کرتی رہیں۔ بعد میں اولاً علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں اور پھر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں وِزِٹنگ پروفیسر کے منصب پر فائز رہیں۔

قرّۃ العین حیدر کا اوّلین افسانہ 1944 میں شائع ہوا تھا۔ افسانوں کا پہلا مجموعہ ''ستاروں کے آگے'' 1947 میں اور پہلا ناول ''میرے بھی صنم خانے'' 1949 میں منظر عام پر آیا۔ اردو اور انگریزی میں اُن کی تقریباً تیس کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں افسانوں کے مجموعے، ناول، ناولٹ، رپورتاژ، سفر نامے، ادبی مضامین اور عالمی ادب کے ترجمے شامل ہیں۔ اُن کے کئی افسانوں اور ناولوں کے ترجمے ہندوستان اور دنیا کی متعدد زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ ''آگ کا دریا''، ''آخرِ شب کے ہم سفر''، ''کارِ جہاں دراز ہے'' اور ''چاندنی بیگم'' ان کے مشہور ناول ہیں۔ قرۃ العین حیدر کے افسانوں اور ناولوں کی زبان بہت رواں اور پرکشش ہے۔ ان کی تحریروں میں ہندوستان کی تاریخ اور تہذیب و ثقافت کی جھلکیوں نے خاص گہرائی پیدا کر دی ہے۔ اُنھیں ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ، گیان پیٹھ ایوارڈ اور پدم بھوشن کا خطاب پیش کیا جا چکا ہے۔

فوٹوگرافر

موسمِ بہار کے پھولوں سے گھرا بے حد نظر فریب گیسٹ ہاؤس ہرے، بھرے ٹیلے کی چوٹی پر دور سے نظر آجاتا ہے۔ ٹیلے کے عین نیچے پہاڑی جھیل ہے۔ ایک بل کھاتی سڑک جھیل کے کنارے کنارے گیسٹ ہاؤس کے پھاٹک تک پہنچتی ہے۔ پھاٹک کے نزدیک والرس کی ایسی مونچھوں والا ایک فوٹوگرافر اپنا ساز و سامان پھیلائے ایک ٹین کی کرسی پر چپ چاپ بیٹھا رہتا ہے۔ یہ گم نام پہاڑی قصبہ ٹورسٹ علاقہ میں نہیں ہے اس وجہ سے بہت کم سیّاح اس طرف آتے ہیں۔ چنانچہ جب کوئی ماہِ عسل منانے والا جوڑا یا کوئی مسافر گیسٹ ہاؤس میں آپہنچتا ہے تو فوٹوگرافر بڑی امید اور صبر کے ساتھ اپنا کیمرہ سنبھالے باغ کی سڑک پر ٹہلنے لگتا ہے۔ باغ کے مالی سے اس کا سمجھوتا ہے گیسٹ ہاؤس میں ٹھہری کسی نوجوان خاتون کے لیے صبح سویرے گلدستہ لے جاتے وقت مالی فوٹوگرافر کو اشارہ کر دیتا ہے اور جب ماہِ عسل منانے والا جوڑا ناشتے کے بعد نیچے باغ میں آتا ہے تو مالی اور فوٹوگرافر دونوں ان کے انتظار میں چوکس ملتے ہیں۔

فوٹوگرافر مدّتوں سے یہاں موجود ہے نہ جانے اور کہیں جا کر اپنی دوکان کیوں نہیں سجاتا لیکن وہ اسی قصبے کا باشندہ ہے۔ اپنی جھیل اور اپنی پہاڑی چھوڑ کر کہاں جائے۔ اس پھاٹک کی پُلیا پر بیٹھے بیٹھے اس نے بدلتی دنیا کے رنگا رنگ تماشے دیکھے ہیں۔ پہلے یہاں صاحب لوگ آتے تھے۔ برطانوی پلانٹرز سفید سولا ہیٹ پہنے، کولونیل سروس کے جغادری عہدے دار، اُن کی میم لوگ اور بابا لوگ۔ رات رات بھر... گراموفون ریکارڈ چیختے تھے اور گیسٹ ہاؤس کے نچلے ڈرائینگ روم کے چوبی فرش پر ڈانس ہوتا تھا۔ دوسری بڑی لڑائی کے زمانے میں امریکن آنے لگے تھے۔ پھر ملک کو آزادی ملی اور اِکّا دُکّا سیّاح آنے شروع ہوئے یا سرکاری افسر یا نئے بیاہے جوڑے یا مصور یا کلاکار جو تنہائی چاہتے ہیں۔ ایسے لوگ جو برسات کی شاموں کو جھیل پر جھکی دھنک کا نظارہ کرنا چاہتے ہیں، ایسے لوگ جو سکون اور محبت کے متلاشی ہیں جس کا زندگی میں وجود نہیں کیوں کہ ہم جہاں جاتے ہیں فنا ہمارے ساتھ ہے۔ فنا مسلسل ہماری ہم سفر ہے۔

گیسٹ ہاؤس میں مسافروں کی آوک جاوک جاری ہے۔ فوٹوگرافر کے کیمرے کی آنکھ یہ سب دیکھتی ہے اور خاموش رہتی ہے۔

ایک روز شام پڑے ایک نوجوان اور ایک لڑکی گیسٹ ہاؤس میں آن کر اترے۔ یہ دونوں، انداز سے ماہِ عسل منانے والے معلوم نہیں ہوتے تھے لیکن بے حد مسرور اور سنجیدہ سے، وہ اپنا سامان اٹھائے اوپر چلے گئے۔ اوپر کی منزل بالکل خالی پڑی تھی۔ زینے کے برابر میں ڈائننگ ہال تھا اور اس کے بعد تین بیڈ روم۔

''یہ کمرہ میں لوں گا''۔ نوجوان نے پہلے بیڈ روم میں داخل ہو کر کہا جس کا رخ جھیل کی طرف تھا۔ لڑکی نے اپنی چھتری اور اوورکوٹ اس کمرے کے ایک پلنگ پر پھینک دیا تھا۔

''اٹھاؤ اپنا بوریا بستر۔'' نوجوان نے اس سے کہا۔

''اچھا.....'' لڑکی دونوں چیزیں اٹھا کر برابر کے سٹنگ روم سے گزرتی دوسرے کمرے میں چلی گئی جس کے پیچھے ایک پختہ گلیارا سا تھا۔ کمرے کے بڑے بڑے دریچوں میں سے وہ مزدور نظر آرہے تھے جو ایک سیڑھی اٹھائے پچھلی دیوار کی مرمّت میں مصروف تھے۔

ایک بیرا لڑکی کا سامان لے کر اندر آیا اور دریچوں کے پردے برابر کر کے چلا گیا۔ لڑکی سفر کے کپڑے تبدیل کر کے سٹنگ روم میں آ گئی۔ نوجوان آتش دان کے پاس ایک آرام کرسی پر بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا، اس نے نظریں اٹھا کر لڑکی کو دیکھا۔ باہر جھیل پر دفعتاً اندھیرا چھا گیا تھا وہ دریچے میں کھڑی ہو کر باغ کے دھندلکے کو دیکھنے لگی۔ پھر وہ بھی ایک کرسی پر بیٹھ گئی، نہ جانے وہ دونوں کیا باتیں کرتے رہے۔ فوٹوگرافر جو اب بھی نیچے پھاٹک پر بیٹھا تھا، اس کا کیمرہ آنکھ رکھتا تھا لیکن سماعت سے عاری تھا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں کھانا کھانے کے کمرے میں گئے اور دریچے سے لگی ہوئی میز پر بیٹھ گئے۔جھیل کے دوسرے کنارے پر قصبے کی روشنیاں جھلملا اٹھی تھیں۔

اس وقت تک ایک یورپین سیّاح بھی گیسٹ ہاؤس میں آ چکا تھا۔ وہ خاموش ڈائننگ ہال کے دوسرے کونے میں چپ چاپ بیٹھا خط لکھ رہا تھا، چند پکچر پوسٹ کارڈ اس کے سامنے میز پر رکھے تھے۔

''سیّاح اپنے گھر خط لکھ رہا ہے کہ میں اس وقت پُر اسرار مشرق کے ایک پُر اسرار ڈاک بنگلے میں موجود ہوں۔سرخ ساری میں ملبوس ایک پراسرار ہندوستانی لڑکی میرے سامنے بیٹھی ہے۔ بڑا ہی رومانٹک ماحول ہے!''لڑکی نے چپکے سے کہا۔اس کا ساتھی ہنس پڑا۔

کھانے کے بعد وہ دونوں پھر سٹنگ روم میں آ گئے۔نوجوان اب اسے کچھ پڑھ کر سنا رہا تھا۔ رات گہری ہوتی گئی۔ دفعتاً لڑکی کو زور کی چھینک آئی اور اس نے سوں سوں کرتے ہوئے کہا۔''اب سونا چاہیے۔''

''تم اپنی زکام کی دوا پینا نہ بھولنا''۔نوجوان نے فکر سے کہا۔

''ہاں شب بخیر.....''لڑکی نے جواب دیا اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔

پچھلا گلیارا گھپ اندھیرا پڑا تھا، کمرا بے حد پرسکون، خنک اور آرام دہ تھا، زندگی بے حد پرسکون اور آرام دہ تھی،لڑکی نے کپڑے تبدیل کر کے سنگھار میز کی دراز کھول کر دوا کی شیشی نکالی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے اپنا سیاہ کیمونو پہن کر دروازہ کھولا،نوجوان ذرا گھبرایا ہوا سامنے کھڑا تھا۔''مجھے بھی بڑی سخت کھانسی اٹھ رہی ہے۔''اس نے کہا۔

''اچھا.....''لڑکی نے دوا کی شیشی اور چمچہ اسے دیا۔ چمچہ نوجوان کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گر گیا، اس نے جھک کر چمچہ اٹھایا اور اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔لڑکی روشنی بجھا کر سو گئی۔

صبح کو وہ ناشتے کے لیے ڈائننگ روم میں گئی۔ زینے کے برابر والے ہال میں پھول مہک رہے تھے۔ تانبے کے بڑے بڑے گلدان براسو سے چمکائے جانے کے بعد ہال کے جھلملاتے چوبی فرش پر ایک قطار میں رکھ دیے گئے تھے اور تازہ پھولوں کے انبار ان کے نزدیک رکھے ہوئے تھے۔ باہر سورج نے جھیل کو روشن کر دیا تھا اور زرد و سفید تتلیاں سبزے پر اڑتی پھر رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد نوجوان ہنستا ہوا زینے پر نمودار ہوا، اس کے ہاتھ میں گلاب کے پھولوں کا ایک گُچّھا تھا۔

''مالی نیچے کھڑا ہے، اس نے یہ گلدستہ تمھارے لیے بھجوایا ہے''۔ اس نے کمرے میں داخل ہو کر مسکراتے ہوئے کہا اور گلدستہ میز پر رکھ دیا۔

لڑکی نے ایک شگوفہ اٹھا کر بے خیالی سے اسے اپنے بالوں میں لگا لیا اور اخبار پڑھنے میں مصروف ہو گئی۔

''ایک فوٹوگرافر بھی نیچے منڈلا رہا ہے، اس نے مجھ سے بڑی سنجیدگی سے تمھارے متعلق دریافت کیا کہ تم فلاں فلم اسٹار تو نہیں؟''
نوجوان نے کرسی پر بیٹھ کر چائے بناتے ہوئے کہا۔

لڑکی ہنس پڑی۔ وہ ایک نامور رقّاصہ تھی۔ مگر اس جگہ پر کسی نے اس کا نام بھی نہ سنا تھا۔ نوجوان اس لڑکی سے بھی زیادہ مشہور موسیقار تھا مگر اسے بھی یہاں کوئی نہ پہچان سکا تھا۔ ان دونوں کو اپنی اس عارضی گم نامی اور مکمل سکون کے یہ مختصر لمحات بہت بھلے معلوم ہوئے۔

کمرے کے دوسرے کونے میں ناشتہ کرتے ہوئے اکیلے یوروپین نے آنکھیں اٹھا کر ان دونوں کو دیکھا اور ذرا سا مسکرایا۔ وہ بھی ان دونوں کی خاموش مسرت میں شریک ہو چکا تھا۔

ناشتے کے بعد وہ دونوں نیچے گئے اور باغ کے کنارے گُل مہر کے نیچے کھڑے ہو کر جھیل کو دیکھنے لگے۔ فوٹو گرافر نے اچانک چھلاوے کی طرح نمودار ہو کر بڑے ڈرامائی انداز میں ٹوپی اتاری اور ذرا جھک کر کہا۔

''فوٹو گراف ۔ لیڈی؟''

لڑکی نے گھڑی دیکھی۔ ''ہم لوگوں کو ابھی باہر جانا ہے۔ دیر ہو جائے گی۔''

''لیڈی.....'' فوٹوگرافر نے پاؤں منڈیر پر رکھا اور ایک ہاتھ پھیلا کر باہر کی دنیا کی سمت اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔'' باہر کارزار حیات میں گھمسان کا رن پڑا ہے۔ مجھے معلوم ہے اس گھمسان سے نکل کر آپ دونوں خوشی کے چند لمحے چرانے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ دیکھیے اس جھیل کے اوپر دھنک پل کی پل میں غائب ہو جاتی ہے۔ لیکن میں آپ کا زیادہ وقت نہ لوں گا.....ادھر آیئے۔''

''بڑا لسّان فوٹوگرافر ہے۔'' لڑکی نے چپکے سے اپنے ساتھی سے کہا۔

مالی جو گویا اب تک اپنے کیو کا منتظر تھا دوسرے درخت کے پیچھے سے نکلا اور لپک کر ایک اور گلدستہ لڑکی کو پیش کیا۔ لڑکی کھل کھلا کر ہنس پڑی وہ اور اس کا ساتھی امر سندری پاروتی کے مجسمے کے قریب جا کھڑے ہوئے۔ لڑکی کی آنکھوں میں دھوپ آ رہی تھی اس لیے اس نے ذرا مسکراتے ہوئے آنکھیں ذرا سی چندھیا دی تھیں۔

کِلک ..... کِلک .....تصویر اتر گئی۔

''تصویر آپ کو شام کو مل جائے گی.....تھینک یو لیڈی.....تھینک یو سر.....فوٹو گرافر نے ذرا سا جھک کر دوبارہ ٹوپی چھوئی۔

لڑکی اور اس کا ساتھی کار کی طرف چلے گئے۔

سیر کر کے وہ دونوں شام پڑے لوٹے اور سندھیا کی نارنجی روشنی میں دیر تک باہر گھاس پر پڑی کرسیوں پر بیٹھے رہے۔ جب کہرا گرنے لگا تو اندر نچلی منزل کے وسیع اور خاموش ڈرائینگ روم میں نارنجی قمقموں کی روشنی میں آ بیٹھے۔ نہ جانے کیا باتیں کر رہے

تھے جو کسی طرح ختم ہونے ہی میں نہ آتی تھیں۔ کھانے کے وقت وہ اوپر چلے گئے۔ صبح سویرے وہ واپس جا رہے تھے اور اپنی باتوں کی محویت میں ان کو فوٹو گرافر اور اس کی کھینچی ہوئی تصویر یاد بھی نہ رہی تھی۔

صبح کو لڑکی اپنے کمرے میں تھی جب بیرے نے اندر آ کر ایک لفافہ پیش کیا۔

''پھوٹو (فوٹو) گرافر صاحب یہ رات کو دے گئے تھے۔'' اس نے کہا۔

''اچھا۔ اس سامنے والی دراز میں رکھ دو۔'' لڑکی نے بے خیالی سے کہا اور بال بنانے میں جُٹی رہی۔

ناشتے کے بعد سامان باندھتے ہوئے اُسے وہ دراز کھولنا یاد نہ رہا اور جاتے وقت خالی کمرے پر ایک سرسری سی نظر ڈال کر وہ تیز تیز چلتی کار میں بیٹھ گئی۔ نوجوان نے کار اسٹارٹ کر دی (کار) پھاٹک سے باہر نکلی۔ فوٹو گرافر نے پُلیا پر سے اٹھ کر ٹوپی اتاری۔ مسافروں نے مسکرا کر ہاتھ ہلائے۔ کار ڈھلوان سے نیچے روانہ ہوگئی۔

وہ والرس کی ایسی مونچھوں والا فوٹو گرافر بہت بوڑھا ہو چکا ہے اور اسی طرح اس گیسٹ ہاؤس کے پھاٹک پر ٹین کی کرسی بچھائے بیٹھا رہتا ہے اور سیاحوں کی تصویریں اتارتا رہتا ہے جو اَب نئی فضائی سروس شروع ہونے کی وجہ سے بڑی تعداد میں اس طرف آنے لگے ہیں۔

لیکن اس وقت ایئر پورٹ سے جو ٹورسٹ کوچ آ کر پھاٹک میں داخل ہوئی اُس میں سے صرف ایک خاتون اپنا اٹیچی کیس اٹھائے برآمد ہوئیں اور ٹھٹک کر انھوں نے فوٹو گرافر کو دیکھا، جو کوچ کو دیکھتے ہی فوراً اُٹھ کھڑا ہوا تھا مگر کسی جوان اور حسین لڑکی کے بجائے ایک ادھیڑ عمر کی بی بی کو دیکھ کر مایوسی سے دوبارہ جا کر اپنی ٹین کی کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔

خاتون نے دفتر میں جا کر رجسٹر میں اپنا نام درج کیا اور اوپر چلی گئیں۔ گیسٹ ہاؤس سنسان پڑا تھا۔ سیاحوں کی ایک ٹولی ابھی ابھی آگے روانہ ہوئی تھی اور بیرے کمرے کی جھاڑ پونچھ کر چکے تھے۔ تانبے کے گلدان تازہ پھولوں کے انتظار میں ہال کے فرش پر رکھے جھل جھل کر رہے تھے اور ڈائننگ ہال میں دریچے کے نیچے سفید برّاق میز پر چھری کانٹے جگمگا رہے تھے۔ نو وارد خاتون درمیانی بیڈ روم میں سے گذر کر پچھلے کمرے میں چلی گئیں اور اپنا سامان رکھنے کے بعد پھر باہر آ کر جھیل کو دیکھنے لگیں۔ چائے کے بعد وہ خالی سِٹنگ روم میں جا بیٹھیں اور رات ہوئی تو جا کر اپنے کمرے میں سو گئیں۔ گلیارے میں سے کچھ پرچھائیوں نے اندر جھانکا تو وہ اٹھ کر دریچے میں گئیں جہاں مزدور دن بھر کام کرنے کے بعد سیڑھی دیوار سے لگی چھوڑ گئے تھے۔ گلیارا ابھی سنسان پڑا تھا۔ وہ پھر پلنگ پر آ کر لیٹیں تو چند منٹ بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ انھوں نے دروازہ کھولا باہر کوئی نہ تھا۔ سٹنگ روم بھائیں بھائیں کر رہا تھا، وہ پھر آ کر لیٹ رہیں، کمرہ بہت سرد تھا۔

صبح اٹھ کر انھوں نے اپنا سامان باندھتے ہوئے سنگھار میز کی دراز کھولی تو اس کے اندر بچھے پیلے کاغذ کے نیچے سے ایک

لفافے کا کونا نظر آیا جس پر ان کا نام لکھا تھا۔ خاتون نے ذرا تعجب سے لفافہ باہر نکالا۔ ایک کاکروچ کاغذ کی تہہ میں سے نکل کر خاتون کی انگلی پر آ گیا۔ انھوں نے دہل کر انگلی جھٹکی اور لفافے میں سے ایک تصویر سرک کر نیچے گر گئی۔

جس میں ایک نوجوان اور ایک لڑکی امر سندری پاروتی کے مجسمے کے قریب کھڑے مسکرا رہے تھے۔ تصویر کا کاغذ پیلا پڑ چکا تھا۔ خاتون چند لمحوں تک گم سم اس تصویر کو دیکھتی رہیں پھر اسے اپنے بیگ میں رکھ لیا۔

بیرے نے باہر سے آواز دی کہ ایئر پورٹ جانے والی کوچ تیار ہے۔ خاتون نیچے گئیں۔ فوٹو گرافر نئے مسافروں کی تاک میں باغ کی سڑک پر ٹہل رہا تھا اس کے قریب جا کر خاتون نے بے تکلفی سے کہا:

''کمال ہے پندرہ برس میں کتنی بار سنگھار میز کی صفائی کی گئی ہوگی مگر یہ تصویر کاغذ کے نیچے اسی طرح پڑی رہی''۔ پھر ان کی آواز میں جھلاّہٹ آ گئی اور یہاں کا انتظام کتنا خراب ہو گیا ہے۔ کمرے میں کاکروچ ہی کاکروچ.....''

فوٹو گرافر نے چونک کر ان کو دیکھا اور پہچاننے کی کوشش کی۔ پھر خاتون کے جھرّیوں والے چہرے پر نظر ڈال کر آرام سے دوسری طرف دیکھنے لگا، خاتون کہتی رہیں..... ان کی آواز بھی بدل چکی تھی چہرے پر درشتی اور سختی تھی اور انداز میں چڑ چڑا پن اور بے زاری اور وہ سپاٹ آواز میں کہے جا رہی تھیں:

''میں اسٹیج سے ریٹائر ہو چکی ہوں اب میری تصویریں کون کھینچے گا بھلا، میں اپنے وطن واپس جاتے ہوئے رات یہاں ٹھہر گئی تھی۔ نئی ہوائی سروس شروع ہو گئی ہے۔ یہ جگہ راستے میں پڑتی ہے۔''

''اور.....اور.....آپ کے ساتھی؟'' فوٹو گرافر نے آہستہ سے پوچھا۔

کوچ نے ہارن بجایا۔

''آپ نے کہا تھا نا کہ کارزارِ حیات میں گھمسان کا رن پڑا ہے۔ اسی گھمسان میں وہ کہیں کھو گئے۔''

کوچ نے دوبارہ ہارن بجایا۔

''اور ان کو کھوئے ہوئے بھی مدّت گزر گئی.....اچھا خدا حافظ'' خاتون نے بات ختم کی اور تیز تیز قدم رکھتی کوچ کی طرف چلی گئیں۔

والرس کی ایسی مونچھوں والا فوٹو گرافر پھاٹک کے نزدیک جا کر اپنی ٹین کی کرسی پر بیٹھ گیا۔

زندگی انسانوں کو کھا گئی۔ صرف کاکروچ باقی رہیں گے۔

(قرۃُ العین حیدر)

مشق

لفظ و معنی

نظر فریب	:	نگاہوں کو دھوکا دینے والا، بے حد خوب صورت
عین	:	بالکل
والرس	:	ایک قسم کی بیل جس کے باریک ریشے نیچے کی طرف لٹکتے رہتے ہیں
ٹورسٹ	:	سیّاح
ماہِ عسل	:	ہنی مون (Honey Moon)
چوکس	:	تیّار، چاق چوبند
صاحب لوگ	:	برطانوی دور کے دولت مند اور سرکاری عہدے دار
جُغادری	:	بھاری بھرکم، جہاں دیدہ
چوبی	:	لکڑی کا بنا ہوا۔ (چوب، لکڑی)
دوسری بڑی لڑائی	:	دوسری عالمی جنگ (جو 1939 میں شروع اور 1945 میں ختم ہوئی)
متلاشی	:	تلاش کرنے والا
فنا	:	موت، خاتمہ
آوک جاوک	:	آنا جانا، آمد و رفت
سٹنگ روم	:	نشست گاہ
گلیارا	:	گیلری، بالکنی
دریچہ	:	کھڑکی
آتش دان	:	کمرے کی دیوار میں، فرش کے قریب بنی ہوئی انگیٹھی
پکچر پوسٹ کارڈ	:	وہ کارڈ جن پر مشہور مقامات کی تصویریں چھپی ہوئی ہوتی ہیں۔ سیّاح اُن پر اپنے دوستوں اور رشتے داروں کو خط لکھتے ہیں تو انھیں خیریت کے ساتھ اس مقام کی ایک جھلک بھی مل جاتی ہے جہاں سے کارڈ روانہ کیا جاتا ہے۔

دفعتاً	:	اچانک
شب بخیر	:	''گڈ نائٹ'' کا متبادل، خدا کرے کہ رات خیریت کے ساتھ گزرے
کیمونو	:	جاپانی خواتین کا ایک خاص لباس
براسو	:	تانبے پیتل کو چمکانے والی مخصوص پالش
شگوفہ	:	کلی
نامور	:	مشہور، معروف
کارزار	:	لڑائی، مقابلہ
رن	:	جنگ
گھمسان (گھماسان)	:	زوردار لڑائی
لسّان	:	باتونی
امرسندری پاروتی	:	شیو جی کی پتنی پاروتی جی کے حسن کو کبھی نہ فنا ہونے والا کہا جاتا ہے اِس لحاظ سے پاروتی جی کا لقب امرسندری ہے
سندھیا	:	شام
نارنجی	:	زردی مائل سرخ رنگ (سنترے کا رنگ)
سرسری نظر	:	اُچٹتی ہوئی نظر
جھل جھل کرنا	:	جگمگ جگمگ کرنا، چاندی سونے کی چمک دمک کو ''جھلا جھل'' کہتے ہیں۔اُسی سے یہ صفت بنائی گئی ہے

غور کرنے کی بات

- قرۃ العین حیدر کے افسانے عام طور پر طویل ہوتے ہیں۔ فوٹوگرافر اُن کا مختصر افسانہ ہے۔ اختصار کے باوجود اس میں قرۃ العین حیدر کا ''تصوّرِ وقت'' صاف جھلک رہا ہے۔ اجتماعی زوال اور انسانی زندگی میں ''وقت'' کا عمل دخل قرۃ العین حیدر کا خاص موضوع ہے۔

- افسانے کا یہ جملہ:

''گیسٹ ہاؤس میں مسافروں کی آوک جاوک جاری ہے۔''اس خیال کی تائید کرتا ہے کہ مصنفہ، دنیا کو مہمان خانہ محسوس کرانا چاہتی ہیں۔ دوسرا جملہ بتا رہا ہے کہ'' کیمرے کی آنکھ یہ سب دیکھتی ہے اور خاموش رہتی ہے۔'' گویا فوٹو گرافر شخص کے بجائے وہ ذہن ہے جو سارے بھید جانتا ہے اور وہ نظر ہے جو حالات، واقعات اور افراد کے ذہن کی گہرائیوں تک پہنچ جاتی ہے۔

- یہ بات بھی غور کرنے کی ہے کہ قرۃ العین حیدر نے کائنات میں فنا کے تسلسل کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ افسانے میں وہ پُرکشش اور دل کو لبھانے والی چیزیں بھی شامل کی ہیں جو انسانی زندگی کو بامعنی بناتی ہیں: یوروپین سیّاح دنیا دیکھنے نکلا ہے۔ وہ دیکھی ہوئی جگہوں اور چیزوں کے عکس خاندان کے لوگوں اور دوستوں کو بھیج کر اپنا دیکھا بھالا اُنھیں بھی دکھا رہا ہے۔ لوگ اسی مہمان خانے میں ماہِ عسل منانے آتے ہیں۔ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں آپس میں چہلیں بھی کر رہے ہیں۔ لازماً فنا ہونے والے افراد: زکام کی بھی دوا کرتے ہیں۔ سرد موسم سے بچنے کے لیے آگ کے پاس بیٹھتے ہیں اور کیمونو پہن کر دروازہ کھولتے ہیں کہ کہیں ٹھنڈی ہوا نہ لگ جائے۔ یعنی اٹل فنا کے سائے میں زندگی کے رنگا رنگ تماشے جاری ہیں۔

سوالات

1. گم نام پہاڑی کے گیسٹ ہاؤس میں سیّاح کیوں آتے تھے؟
2. افسانے میں فوٹو گرافر کے کردار پر روشنی ڈالیے۔
3. افسانے میں زندگی کی کس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے؟
4. قرۃ العین حیدر کی افسانہ نگاری کی خصوصیات تحریر کیجیے۔

عملی کام

- اِس افسانے کو بار بار پڑھیے اور جہاں کوئی بات سمجھ میں نہ آئے، اسے استاد سے دریافت کیجیے۔